Tarjihaat
Volume: 1
Issue: III
October 2021
ترجیحات
آن لائن ماہنامہ

ڈاکٹر جمشید احمد
صدر شعبہ اردو، بی۔ سی۔ کالج، آسنسول (مغربی بنگال)۔713304
رابطہ۔9593664494
میل۔jamshed78@gmail.com

رضا علی وحشتؔ: بحیثیت غزل گو

رضا علی وحشتؔ کا نام بحیثیت غزل گو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انھیں بچپن ہی سے شعر و شاعری کا گہرا شوق تھا۔ وہ اساتذہ کے کلام کا بغور مطالعہ کرتے اور اس سے اثر بھی قبول کرتے۔ انھوں نے غالبؔ کے کلام کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا اور غالب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے رنگ میں شاعری کرنا اپنے لیے باعث افتخار سمجھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر وہ غالب دوراں قرار پائے۔

غالب جیسے نابغہ روزگار کی تقلید تو بہت سے شعرا نے کی مگر وحشت اس بات کے لیے بھرپور کوشاں رہے کہ انھیں لوگ غالب دوراں تسلیم کریں۔ یہی وجہ ہے کی انھوں نے اپنی غزلوں میں کہیں غالب جیسی جدت و ندرت اختیار کرنے کی کوشش کی تو کہیں غالب کے مضامین کو اپنے انداز سے برتنے کی۔ وہ اپنی اس کوشش میں خاصا کامیاب بھی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں بہت سے ناقدین نے غالب دوراں اور غالب زمانہ تسلیم کیا۔ مثلاً الطاف حسین حالی لکھتے ہیں کہ

''تکلف بر طرف اگر مرزا صاحب کے ان بلند اور اچھوتے خیالات کو جن میں وہ اپنے تمام معاصرین میں ممتاز تھے مثنثنیٰ کر لیا جائے تو آپ کے اردو دیوان کو بے شائبہ تصنع ان کے کلام کا نمونہ قرار دینا ہر گز داخلہ مبالغہ نہیں ہو سکتا۔''۔ (بحوالہ نساخ سے وحشت تک، صفحہ ۱۷۶)

اس سلسلے میں نیاز فتح پوری کی آرا بھی دیکھتے چلیں۔

''اس میں شک نہیں کہ وحشتؔ اپنے تغزل کی سنجیدگی، معنی آفرینی اور دلکش فارسی ترکیبوں کے استعمال سے غالب

اسکول کے نہایت کامیاب شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جس پختگی اور دلکشی کے ساتھ انھوں نے اس

رنگ کو پیش کیا وہ اور کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ وحشتؔ نے غالب کا تتبع کیا اور بڑی کامیابی کے ساتھ۔''

)بحوالہ نساخ سے وحشت تک، صفحہ ۱۷۸(

بلاشبہہ غالب کی تقلید تو اکثر و بیشتر شعرا نے کی ہے مگر وحشتؔ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے غالب کی اندھی تقلید نہیں کی بلکہ خلاقانہ تقلید کی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے یہاں غالب کی تقلید میں تخلیقیت جلوہ گر ہے۔ اسی لیے غالب کی تقلید میں انھیں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے شاعر کے حصے میں نہیں آئی۔ بطور مثال چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

میں بھی منھ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے)غالبؔ(

اوروں کو دیکھتے ہو میری طرف بھی دیکھو
رکھتا ہے کچھ توقع میرا دل حزین بھی)وحشتؔ(

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو)غالبؔ(

دلِ دیوانہ کرتا ہے در و دیوار سے باتیں
مری خلوت نہیں ہے، یہ تو محفل ہوتی جاتی ہے)وحشتؔ(

رنج سے خو گر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہو گئیں)غالبؔ(

میری ایذا دوستی کر دے گی آساں مشکلیں
خار بھی ہو جائے گا شاخ چمن میرے لیے)وحشتؔ(

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاش کہ تم میرے لیے ہوتے (غالبؔ)

ہزار بار سہیں ہم فراق کے صدمے
ترا وصال اگر ایک بار ہو جائے (وحشتؔ)

اس طرح کے اور بھی بہت سے اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں جن میں وحشت نے غالب کی پیروی کی ہے لیکن وحشت کا تمام تر کلام غالب کی پیروی میں کہا گیا ہو ایسا نہیں ہے۔ ابتدا میں وحشتؔ نے تقلید غالب خوب کی مگر بعد میں انھوں نے اپنی انفرادیت قائم کی۔ وہ خود لکھتے ہئں کہ۔

''غالبؔ کی تقلید میں نے بے شک کی لیکن اس حد تک نہیں کہ میں کچھ اریجنل خیالات نہ پیش کر سکوں۔ میرے
دیوان کا مطالعہ اگر گہرا ہو تو ظاہر کر دے گا کہ میں نے بھی کچھ نہ کچھ پیش کیا ہے۔''
(بحوالہ نساخ سے وحشت تک، صفحہ ۱۸۰)

وحشتؔ کے یہاں یہ انفرادی رنگ انکے مجموعہ کلام۔'ترانہ وحشت' ہیں واضح طور پہ نمایاں ہے۔ بطور مثال چند اشعار دیکھتے چلیں۔

درد آ کے بڑھا دو تم دل کا یہ کام تمہیں کیا مشکل ہے
بیمار بنانا آساں ہے ہر چند مداوا مشکل ہے

کسی کو کیا پڑی ہے جو کسی کا مدعا جانے
دل بیتاب کی تسکین کب ہو گی خدا جانے

نہ مجھکو امید ہے کسی سے نہ مجھکو اندیشہ ہے کسی کا
مزے سے اپنی گزر رہی ہے بھلا ہو اس بے تعلقی کا

اللہ رے زور مجبوری خود مجھکو حیرت ہوتی ہے
جو بار اٹھانا پڑتا ہے کیونکر وہ اٹھایا جاتا ہے

ان اشعار کے مطالعے سے کسی حد تک یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وحشت محض غالب کے مقلد نہیں تھے بلکہ وہ اپنی انفرادیت قائم کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ درج بالا آخری شعر کو تو نیاز فتح پوری نے الہام پارہ سے تعبیر کیا ہے اور اس غزل سے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔

''ان کی جوانی کی شاعری کے سامنے تو لوگوں کا صرف دل جھکتا تھا لیکن اب انکے اس رنگ کے سامنے

روح دوزانو ہوتی ہے۔'' (بحوالہ نساخ سے وحشت تک، صفحہ ۱۸۰(

وحشت کے خاص رنگ سے متعلق چند اشعار اور ملاحظہ ہوں۔

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موج دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

تیرا غمزہ کس قدر بیگانگی آموز ہے
تیری محفل میں کسی کا آشنا کوئی نہیں

ان کی نگاہِ لطف پہ ہم ناز کیا کریں
دولت کا سایہ سر پہ کبھی ہے کبھی نہیں

وحشت کی شاعری کا بڑا حصہ حسن و عشق کے مختلف معاملات و کیفیات سے متعلق ہے۔ یہ ان کا پسندیدہ موضوع ہے۔ یہاں بھی انکی انفرادیت مسلم ہے۔ انھوں نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ حسن و عشق کے مختلف پہلوؤں کو اپنی غزلوں میں پیش کیا ہے۔ ان کا عشق بڑا مہذب اور پاکیزہ ہے۔ وہ کسی بھی طور ادب اور تہذیب کا دامن اپنے ہاتھوں سے چھوٹنے نہیں دیتے۔ وہ محبوب پہ جان قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں مگر محبوب سے وہ اس کے عوض میں صرف محبت چاہتے ہیں اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اشعار دیکھیں۔

رہ محبت میں جز محبت مرا کوئی مدعا نہیں ہے
نظر چراتے ہو مجھ سے کیوں تم مری کوئی التجا نہیں ہے

صد شکر آج ہو گئی تکمیل عشق کی

اپنے کو خاکِ کوچہ جانا بنا دیا

آنکھوں نے تیری کیف مٹایا شراب کا
چہرے نے تیرے بات بگاڑی بہار کی

تری عاشق فراموشی کی گو حد ہو گئی ظالم
ترا وحشتؔ تجھے اس پر بھی اکثر یاد کرتا ہے

خود عشق ہی میں مجھکو ملا مدعائے عشق
جو دل کا درد تھا وہی دل کی دوا ہوا

عقل دیتی ہے دعا آمین کہتا ہے جنوں
دل قیامت تک تیری زلفوں کا دیوانہ رہے

عشق میں رقیب کا بھی بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔ عموماً عاشق کا تعلق اس کے ساتھ رقابت کا ہوتا ہے۔ پیشرو شعرا نے بھی رقیب کو اسی انداز میں پیش کیا ہے۔ مگر وحشت کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے رقیب کے ساتھ اس کے برعکس رویہ اختیار کیا ہے۔ وہ رقیب سے حسد یا
رقابت نہیں رکھتے بلکہ وہ رقیب کو محبوب کی محبت میں گرفتار دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

رشک کہاں، حسد کسے، اور مجھے خوشی ہوئی
غم میں ترے رقیب کو سینہ فگار دیکھ کر

میں قید رشک سے آزاد ہوں محبت میں
کہ شمع تجھکو بنایا ہے انجمن کے لیے

وحشتؔ کے یہاں روایت سے گہری وابستگی ملتی ہے۔ وہ شاعری میں نئے نئے تجربات کے قائل نہ تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ غزل کا لطف تو طرز کہن میں ہی پوشیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

غزل کا لطف ہے وابستہ طرز کہن وحشتؔ
خیالِ خاطر احباب جدت آشنا کب تک

اسی روایت پسندی کی وجہ سے وہ شاعری میں تصرفات کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے یہاں ایسے اشعار مل جاتے ہیں جو اس عہد کے سیاسی، سماجی و دیگر موضوعات و مسائل کا احاطہ کرتے ہیں۔ شعر دیکھیں۔

وحشتؔ اس محفل میں کیا انصاف ہو اپنا جہاں
سب انھیں کی سی کہیں، ان کی طرف داری کریں

جنگ آزادی کے متعلق وہ کہتے ہیں۔

بہار گل متقاضی ہے خون بلبل کی
کہ یہ بھی چاہیے رنگینئ چمن کے لیے

لیکن جب مسلسل جد وجہد اور قربانیوں کے بعد ہمیں آزادی حاصل ہوئی تو وہ اس آزادی سے بالکل مختلف تھی جس کی آرزو میں ہم نے قربانیاں دی تھیں۔ ہر طرف فسادات برپا ہو گئے، ہماری خوشیاں نفرتوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ان تمان ترسانحات سے وحشتؔ بڑے متاثر ہوئے اور اس سانحہ پر انھوں نے کئی اشعار کہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

بہار آئی تو کیا دیکھی ہے چشم باغباں میں نے
نظر آتی نہیں ہے خیر اب اپنے نشیمن کی

اس دور میں ایک بڑی آبادی کو ہجرت کے کرب سے بھی گزرنا پڑا۔ یہ کرب وحشتؔ کے حصہ میں بھی آیا۔ وہ کلکتہ چھوڑ کر ڈھاکہ چلے گئے لیکن ان کا وجود کلکتہ اور ڈھاکہ کے درمیان تقسیم ہو گیا۔ یعنی جسم ڈھاکہ پہنچ گیا اور ذہن کلکتہ میں بھٹکتا رہا۔

وطن اور وہ بھی کلکتہ غضب تھا چھوڑنا اس کا
قیامت ہو گئی وحشت سے وحشت کا وطن چھوٹا

بہار آئی ہے اور مجھکو نکل جانا ہے گلشن سے
نگاہ باغباں ہٹتی نہیں میرے نشیمن سے

دو گز زمین چاہیے دیکھیں کہاں ملے
اٹھنے کو تو اٹھے ہیں تیرے آستاں سے ہم

وحشتؔ قوم و ملت کی زبوں حالی پر بھی رنجیدہ نظر آتے ہیں۔ان کے سینے میں اک ایسا درد مند دل تھا جو قوم کو محصور مصیبت دیکھ کر بے چین ہو اٹھتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

عزیزوں کو نہ ہو راحت تو ہم کو کیسے راحت ہو
خوشی کیوں کر ہو جب قوم اپنی محصورِ مصیبت ہو

وہ قوم کی حالت زار کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتے ہیں،

مزے کی زندگی ہے وقت بے کاری میں کٹتا ہے
نہ ہے امروز کی کچھ فکر نہ اندیشۂ فردا

وحشتؔ نے اپنی غزلوں میں انسانوں کو حرکت و عمل کا پیغام بھی دیا ہے۔وہ انسانوں کو انکی زندگی کے اعلی مقاصد یاد دلاتے ہیں اور اسے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ انسان کی زندگی ایک بے بہا دولت ہے۔اسے یوں ہی نہیں گزار دینا چاہیے بلکہ زندگی کے اعلی مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سفر کو طئے کرنا چاہیے۔بطور مثال یہ اشعار دیکھیں۔

ہے اک مخصوص مقصد زندگی کا یہ نہیں غافل
کہ اپنی عمر کو تو جس طرح چاہے بسر کر دے
کبھی سوچا ہے تم نے زندگی کا مدعا کیا ہے
جو فقدان عمل ہے زندگی پھر ایک دھوکا ہے

نشان زندگئ دل ہے بے قراری دل
ہے دل کی موت اگر چین آگیا دل کو

زبان و بیان کے اعتبار سے بھی وحشتؔ کا کلام قابل ذکر ہے۔ان کی زبان سادہ و سلیس ہے۔ وہ فصاحت و بلاغت اور لوازمات شاعری کے تمام ذرائع کو عزیز رکھتے ہیں۔انکے یہاں فارسی الفاظ و تراکیب کا بڑا خوبصورت استعمال ملتا ہے۔ان کی زبان و بیان کے متعلق خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں کہ۔

"وحشتؔ نے اپنی خدمات سے یہ ثابت کر دیا کہ اردو صرف دہلی اور لکھنو کی زبان نہیں ہے بلکہ پورا ہندوستان

اسکی آغوش میں ہے اور بنگال میں بھی ایسی اردو لکھی جا سکتی ہے جس پر اہل دہلی اور لکھنو وجد کریں۔''

)روح ادب، سہ ماہی، مغربی بنگال اردو اکاڈمی ۱۹۸۴(

مختصر یہ کہ وحشت کلکتوی کی غزلیں فکر و فن دونوں اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ وہ صرف تقلید غالب تک محدود نہیں ہیں بلکہ اردو غزل گوئی میں انکی اپنی انفرادیت ہے۔ جس کے باعث اردو غزل گو شعرا میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔

کتابیات:

۱۔ دیوان وحشت، وحشت رضا کلکتوی، ستارۂ ہند پریس لمیٹید، کلکتہ

۲۔ نساخ سے وحشت تک، سید لطیف الرحمٰن، عثمانیہ بک ڈپو کلکتہ، ۱۹۵۹ء

۳۔ وحشت حیات و فن، معید رشیدی، عرشیہ پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۱۰ء

۴۔ مہر نیمروز، ابو لخیر کشفی، حسن مثنیٰ ندوی، ادبی پریس کراچی، ۱۹۵۷ء

۵۔ دبستان وحشت کا تنقیدی مطالعہ، راز عظیم، روی پبلیکیشنز، کلکتہ ۱۹۸۹ء